بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

قاعدہ ہے کسی اخبار یا مجلہ کے اداریہ میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اُس کی اصل مسئولیت اڈیٹر پر عائد ہوتی ہے اور اُس کو ہی اُس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، لیکن افسوس ہے گزشتہ ماہ کے نظرات کو اخبار الجمعیۃ دہلی نے مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی پر طنز و تعریض اور اُن پر نکتہ چینی کا بہانہ بنا لیا۔ چنانچہ الجمعیۃ کے سنڈے ایڈیشن میں نظرات کو شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع کرتے ہوئے ادارہ کی طرف سے اس بات پر سخت حیرت کا اظہار کیا گیا ہے کہ مفتی صاحب جو "برہان" کے نگراں ہیں انتخابات میں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ نمائندگی کے حامی ہیں، لیکن اس کے باوجود برہان کے اڈیٹر نے اس نظریہ کی مخالفت میں یہ کچھ لکھ دیا ہے!

اس سلسلہ میں پہلی گذارش یہ ہے کہ منطقی طور پر دو حال سے خالی نہیں، نظرات میں جو کچھ تحریر کیا گیا تھا وہ مفتی صاحب کے خیالات و افکار کی ترجمانی تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو الجمعیۃ کے ادارہ نے اس پر جس حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے وہ سرتاسر بے محل اور نغمۂ بے ہنگام ہے اور اگر صورت دوسری ہے یعنی نظرات مفتی صاحب کے خیالات کے برعکس تھے تو اب دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ مفتی صاحب کی عالی حوصلگی اور وسعتِ ظرف کی داد دی جاتی کہ ناظم ندوۃ المصنفین (نگراں برہان نہیں) اور ذاتی طور پر اڈیٹر برہان کے لیے برادرِ بزرگ کے برابر ہونے کے باوجود انھوں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور اڈیٹر کو موقع دیا کہ وہ ذاتی رائے وضاحت کے ساتھ بیان کرے! لیکن خواہ مخواہ کی مخالفت اور اُس کے باعث جذبۂ خوردہ گیری کا بُرا ہو کہ جو چیز مفتی صاحب

کے لیے لائق مدح و تحسین ہونی چاہیے تھی وہی اُن پر اعتراض کا سبب بن گئی۔ واقعی سچ ہے :-

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

کما ان عین السخط تبدی المساویا

دوسری گذارش یہ ہے کہ بُرہان کی اشاعت کے بعد مفتی صاحب نظرات یا اور مضامین و مقالات پڑھ لیتے ہوں تو پڑھ لیتے ہوں، اشاعت سے قبل نظرات اُن کی نظر سے عموماً نہیں گذرتے، لیکن جہاں تک زیرِ بحث نظرات کا تعلق ہے واقعہ یہ پیش آیا کہ راقم دلی گیا ہوا تھا اور یہ نظرات وہیں دفتر میں بیٹھ کر لکھے تھے۔ جب لکھنے سے فارغ ہوا تو مفتی صاحب وہاں موجود تھے۔ میں نے فوراً انھیں پڑھ کر سنا بھی دیے۔ انھوں نے نظرات خاموشی سے سُنے اور آخر میں بولے "خوب ہیں" آج اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مفتی صاحب پارلیمنٹری سیاست میں فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کے حامی ہوگئے ہیں تو اُس پر مجھ سے زیادہ متعجب ہونے کا حق کسی اور کو نہیں ہے۔ کیوں کہ اُن کی زندگی اور اُن کے خیالات و افکار چالیس پیالیس برس سے میرے لیے ایک کھُلی ہوئی کتاب کی مانند ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ہمیشہ سے پرلے درجہ کے نیشنلسٹ رہے ہیں اور جداگانہ انتخابات کے وہ اُس زمانہ میں بھی سخت مخالف تھے جب کہ نیشنلزم ہم معنی کفر تھا، وہ اُس زمانہ سے مسلسل کھدر پہن رہے ہیں جب کہ آج کل کے بعض بڑے بڑے نامور لیڈر ریشم اور ململ کا شوق کرتے تھے۔ مفتی صاحب کو اگرچہ اسٹیج کی لیڈری کا ارمان کبھی بھی نہیں ہوا لیکن اپنے قوم پرورانہ افکار و خیالات میں وہ اس درجہ کٹّر اور مخلص رہے ہیں کہ اُن کی وجہ سے انھوں نے مالی اور اعزاز و مرتبہ کے لحاظ سے جو قابلِ قدر قربانیاں دی ہیں کم لوگ ہیں جو اس کی ہمت کر سکیں گے —— رہا مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں اُن کے خلاف چیخنا چلّانا اور اُن کے تدارک کے لئے کوئی اقدام کرنا تو اگر یہ فرقہ پرستی اور نیشنلزم کی نفی ہے تو کہنے دیجئے کہ مہاتما گاندھی جنھوں نے ایک مظلوم اقلیت کی خاطر جان گنوائی اس ملک کے سب سے بڑے فرقہ پرست انسان تھے۔

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کو قائم ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، پورے چھ برس بھی نہیں ہوئے